Model Questions with Answer

FYUG, Sem-I, C.C.I MIL(Urdu)

Time: 02 Hours Full Marks:40

Group-A

۱. درج ذیل معروضی سوالات کے صحیح جواب دیجئے: 1x5 = 05

(i) اپنے جذبات کو دوسرے انسان میں منتقل کرنے کا وسیلہ کہلاتا ہے ؟

(A) نفسیات (B) سوچ (C) زبان (D) قابلیت

جواب۔ (C) زبان

(ii) درج ذیل میں اسم ہے ؟

(A) قلم (B) لکھنا (C) پڑھنا (D) کھیلنا

جواب۔ (A) قلم

(iii) قواعد کا بنیادی مقصد کیا ہے ؟

(A) تخلیق کرنا (B) روانی پیدا کرنا (C) درست لکھنا، پڑھنا، سیکھنا (D) ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ

جواب۔ (C) درست لکھنا، پڑھنا، سیکھنا

(iv) نظم کے لغوی معنی ہیں ؟

(A) موتی چننا (B) موتی بنانا (C) موتی خریدنا (D) موتی پرونا

جواب۔ (D) موتی پرونا

(v) ''اکبر'' کا مترادف لفظ کون سا ہے؟

(A) جری (B) بڑا (C) نمایاں (D) طاقتور

جواب۔ (B) بڑا

۲. درج ذیل میں سے تین سوالوں کے جواب دیجئے: 3x5 = 15

(i) درج ذیل الفاظ کے مترادف الفاظ یعنی ہم معنی الفاظ لکھئے ؟

بشر خورشید ماہ کامل زوجہ ثمر

جواب۔ انسان سورج مکمل چاند بیوی پھل

(ii) درج ذیل الفاظ کے متضاد الفاظ لکھئے ؟

اتحاد باطن پیادہ حقیقی جلوت

جواب۔ اختلاف ظاہر سوار مجازی خلوت

(iii) درج ذیل محاورے کے معنی بتایئے ؟

پانی پانی ہونا اپنا اُلّو سیدھا کرنا باغ باغ ہونا دانت کھٹّے کرنا خیالی پلاؤ پکانا

جواب۔ شرمندہ ہونا کسی کو بیوقوف بنا کر اپنا کام نکالنا خوش ہونا ہرا دینا ناممکن باتیں سوچنا

(iv) فعل کی تعریف کیجئے اور یہ بتایئے کہ معنی کے اعتبار سے فعل کی کتنی قسمیں ہیں ؟

جواب۔ فعل (verb)۔ وہ لفظ جس سے کسی کام کے کرنے یا ہونے کا علم ہوتا ہے اسے فعل کہتے ہیں۔ فعل کی بنیادی شکل مصدر ہوتا ہے۔ اس کی پہچان ''نا'' سے ہوتی ہے۔ مصدر خود تو کسی لفظ سے نہیں بنتا لیکن اس سے دوسرے الفاظ بنائے جاسکتے ہیں۔ جیسے: دوڑنا، کھانا، پینا، جانا، آنا، رونا، ہنسنا وغیرہ۔

معنی کے اعتبار سے فعل کی تین قسمیں ہیں:

۱. فعل لازم (Intransitive verb): وہ فعل جس کا اثر محض فاعل پر ہی پڑتا ہے، اسے فعل لازم کہتے ہیں۔ جیسے جاوید کھیلتا ہے، کوّا بولا، دلشاد آیا۔ ان جملوں میں محض فاعل کا ہی استعمال ہوا ہے مفعول کا نہیں۔

۲. فعل متعدی (Transitive verb): وہ فعل جس کا اثر مفعول پر پڑتا ہے، جیسے بچہ پھل کھاتا ہے۔ اس میں بچہ کام کا کرنے والا یعنی فاعل ہے، کھانا فعل ہے اور اس کا اثر پھل یعنی مفعول پر پڑ رہا ہے۔

۳. فعل ناقص (Imperfect verb): وہ فعل جس میں کسی کام کا کرنا نہیں بلکہ ہونا پایا جاتا ہے، فعل ناقص کہلاتا ہے۔ اس میں اسم بجائے فاعل کے مبتدا کہلاتا ہے۔ جیسے: عامر (مبتدا) ذہین ہے۔ (خبر)، لڑکے (مبتدا) اسکول گئے۔ (خبر)

(v) اپنے کالج کے پرنسپل کو اپنی فیس معاف کر دینے کے لئے ایک درخواست لکھئے؟

جواب:

بخدمت:

جناب پرنسل صاحب

سینٹ کالمبس کالج، ہزاری باغ

جناب عالی!

میں آپ کی قابل قدر مصروفیات میں سے ایک لمحۂ التفات کا آرزومند ہوں۔ گزارش ہے کہ میں ایک غریب اور نادار طالب علم ہوں۔ میرے والدین ضعیف ہیں۔ گھر کے اخراجات کو پورا کرنے کا کوئی معقول ذریعہ نہیں۔ علاوہ ازیں میرا چھوٹا بھائی بھی اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ براہ کرم میری فیس معاف فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ امداد ہر لحاظ سے ایک مستحق امداد ہوگی۔ آپ کی عنایتوں کا محتاج۔

بتاریخ: ۱۵/جنوری ۲۰۲۳ء — عرض گزار

مقام: ہزاری باغ — احمد حسین، بی.اے. سمسٹر۔I

رول نمبر: ۲۰۳

Group-B

۳. درج ذیل میں سے دو سوالوں کے جواب تفصیل کے ساتھ دیجئے۔ 2x10=20

(i) میر امن دہلوی کے بارے میں آپ جو کچھ جانتے ہیں۔ لکھئے؟

جواب: میر امن کا نام میر امان تھا اور امن تخلص کرتے تھے لیکن میر امن کے نام سے مشہور ہوئے۔ مغل شہنشاہوں کے دور میں میر امن کے آبا و اجداد کا شمار دہلی کی ممتاز ہستیوں میں ہوتا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ دہلی کی تباہی کے بعد دیگر شرفاء کی طرح میر امن کو بھی تلاش معاش کے سلسلے میں وطن کو خیر باد کہنا پڑا اور پٹنہ (عظیم آباد) ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے جہاں آپ کا ظم علی خاں کے اتالیق استاد مقرر ہوئے۔ یہاں ان کی ملاقات منشی بہادر علی سے ہوئی، جن کے توسط سے فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرسٹ تک رسائی ہوئی۔

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کو ہندوستانی زبانوں میں اردو سے خاص رغبت تھی۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں کالج میں ہمارے ملک سے اردو داں جمع ہو گئے تھے اور تصنیف و تالیف کا بہترین شعبہ قائم ہو گیا تھا جو جدید اردو نثر

کے خدوخال مقرر کر رہا تھا۔ میر امن کو بھی اسی شعبہ میں ترجمہ کا کام مل گیا اور انہوں نے تدریس کا سلسلہ بھی اسی کالج میں شروع کیا تھا۔ اس کالج کے زیر نگرانی جو معرکۃ آرا کارنامہ میر امن نے کر دکھایا وہ ''قصّۂ چہار درویش'' کا ترجمہ سلیس اردو میں تھا۔ جس نے میر امن کو شہرت کی انتہا تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ کی بہترین تصنیف ''گنج خوبی'' عالم وجود میں آئی لیکن جو شہرت ''باغ و بہار'' کو نصیب ہوئی وہ شہرت اس کتاب کو نصیب نہ ہو سکی۔

میر امن کا طرز تحریر اپنے زمانے کی اردو عبارت سے مختلف ہے۔ انہوں نے سادہ اور بامحاورہ زبان استعمال کی ہے اور بمشکل فارسی و عربی الفاظ سے پرہیز کیا اور ہندی الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے۔ ان کی زبان مافی الضمیر اور زبان کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ سلیس اور عام فہم طرز تحریر کی وجہ سے نفس مضمون میں اتنا تسلسل اور روانی پیدا ہو گئی ہے کہ جامع واقعات کو الفاظ کے ذریعہ لڑی کی طرح پرو دیا گیا ہے۔ اس روانی اور تسلسل کی بہترین مثال ''باغ و بہار'' سے دی جا سکتی ہے۔ میر امن نے کہیں کہیں ایسے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو لغت کے لحاظ سے نامناسب ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ عوام کی زبان پر رائج تھے۔ انہوں نے اردو کو ہر دل عزیز بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور پُرکشش نثر کی خوبیوں کے سبب میر امن کو جدید نثر کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے۔

(ii) جوش ملیح آبادی کی نظم ''کسان'' کا مرکزی خیال کیا ہے؟ واضح کیجئے۔

جواب: ''کسان'' جوش ملیح آبادی کی نمایاں نظم ہے۔ اس نظم میں ان کا زور بیان اور ان کی رعنائی فکر اور الفاظ و خیالات کا تلاطم اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ اس میں انہوں نے مناظر فطرت کی بہترین عکاسی کے ساتھ کسان کی نفسیات کا تجزیہ بھی بڑے خوب صورت انداز سے کیا ہے۔ کسان موسم کے تھپیڑوں کی مار سہہ کر کھیت میں سخت محنت کرتا ہے اور فصل تیار کرتا ہے۔ محض اس لئے کہ ملک و قوم کو اس سے فائدہ ہو۔ ملک ترقی کرے۔ اس کی اسی محنت پر ملک کی ترقی اور تہذیب و حکومت کا دار و مدار ہوتا ہے۔ وہ اس کو تہذیب کا پروردگار مانتے ہیں:

یہ سماں اور اِک قومی انسان یعنی کاشتکار
ارتقاء کا پیشوا، تہذیب کا پروردگار

اس نظم میں جوش نے کسان کی حالت کو بڑے خوب صورت انداز سے واضح کیا ہے۔ کسان کی محنت ہی امیروں کی خوش حالی کا سبب ہے۔ ان کی وجہ سے ہی امیر ترقی پاتے ہیں۔ یہ قدرت کے قانون اور قدرتی

وسائل کا ماہر ہے اور دنیا کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے میں بھاری مددگار ثابت ہوا ہے۔اسی کی وجہ سے گلشن میں پھول کھلتے ہیں اور رنگ وبو سے پورا گلشن مہکا رہتا ہے۔ یہ سب اسی کی محنت کا نتیجہ ہے۔

مختصراً یہ کہ پورا ملک اس کا مرہون منت ہوتا ہے۔لیکن اس کے باوجود اس کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ دوسروں کے گھر میں خوشی کے چراغ جلانے والے کے گھر میں چولہے کی روشنی تک نہ ہو۔فاقہ کشی میں دن گزارتا ہے اور اس کی محنت کا پھل کو دوسرے ممالک میں حکمراں طبقہ بھیج دیتا ہے اور غریب کسان کو محنت ومشقت اور فاقہ کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔

(iii) مولوی ذکاءاللہ کے مضمون ''مطالعۂ کتب'' کا خلاصہ قلم بند کیجئے؟

جواب: ذکاءاللہ اردو کے معروف نثر نگاروں میں ہیں۔ وہ کئی علوم وفنون پر قدرت رکھتے تھے۔تاریخ، جغرافیہ، ریاضیات، اخلاقیات اور ادب کا خاصا علم انہیں حاصل تھا۔اسی لئے ان کی تحریر میں علمی شان ودبدبہ کافی ملتا ہے۔اور تحریر میں اس علمیت کی وجہ سے سنجیدگی اور تفکر پیدا ہوتا ہے۔جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شوخی اور دلکشی برقرار نہیں رہتی بلکہ اسلوب روکھا پھیکا ہو جاتا ہے۔ان کی تحریر کی اس بے کیفی اور بے لطفی کے باوجود اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ موضوعاتی اور مقصدی اعتبار سے یہ بہت اہم ہوتی ہے اور اسلوب کا سادہ مگر پرکار حسن پڑھنے والے کو خود ہی اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔زبان بہت عام فہم اور بامحاورہ استعمال کرتے ہیں۔جملوں میں بے ساختگی اور برجستگی ہونے کی وجہ سے تحریر جاندار ہو جاتی ہے۔

خلاصہ: مطالعۂ کتب کے فوائد کی وضاحت کرتے ہوئے مولوی ذکاءاللہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے انسان کے اندر بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ ہر طرح کی گفتگو اور تحریر وتقریر میں اس سے تقویت ملتی ہے اور علمی قابلیت میں اضافہ ہوتا ہے۔دوسروں کی نکتہ چینی اور تنقید کرنے کے لئے پڑھنا بے کار ہے۔اس لئے بھی پڑھنا نہیں چاہئے کہ دوسروں کی باتوں کو من وعن تسلیم کر لینا ہے۔تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ یہ انسان کے اندر علمی خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔اس سے سوچنے، سمجھنے اور پرکھنے کی شعوری صلاحیت بڑھتی ہے۔کتابوں کے مطالعہ کے سلسلے میں ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ مطالعہ کرتے وقت کتابوں کے مناسب انتخاب کا خیال رکھا جائے۔بعض کتابیں صرف پڑھ لی جاتی ہیں اور بعض کتابیں کافی غور وخوض سے پڑھی جاتی ہیں۔اس مطالعہ سے تقریر بھی بہتر ہوتی ہے اور تحریر میں بھی حسن پیدا ہوتا ہے۔جس طرح جسمانی بیماریوں کے مختلف علاج ہیں اسی طرح ذہنی بیماریوں کا بھی علاج ہوتا ہے۔اگر ذہنی پریشانی سے یکسوئی حاصل نہیں ہے تو حساب کا مطالعہ مفید ہوتا ہے جو ذہن کو یکسو کر دیتا ہے۔تمیز وفرق کی صلاحیت کی کمی کو دور کرنے کے لئے فلسفہ وحکمت کا

مطالعہ ضروری ہے۔اس طرح مختلف ذہنی کمزوریوں کو مطالعۂ کتب سے دور کیا جا سکتا ہے۔کسی طرح کے مطالعہ سے نقصان کا احتمال بھی نہیں ہوتا۔طالب علموں کی بہتری اور صحت کے لئے شوقِ مطالعہ ضروری ہے۔ اس سے روحانی اطمینان و آرام ملتا ہے۔

تجزیہ: مولوی ذکاءاللہ نے زیرِنظر مضمون میں مطالعہ کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔اپنی مقصدیت اور افادیت کے پیش نظر یہ مضمون بہت قیمتی اور بہتر ہے۔صاف وسادہ زبان میں اپنے خیالات کو بڑی خوبی کے ساتھ انہوں نے واضح کیا ہے۔مطالعہ یوں بھی انسان کے فکر و ذہن کی نشو ونما کرتا ہے اور ذکاءاللہ نے تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

(iv) نظیر اکبرآبادی کے سوانحی احوال وکوائف پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے کلام کی خصوصیات بیان کیجئے؟

جواب: نظیر اکبرآبادی اردو کے عظیم عوامی اور خالص ہندوستانی شاعر ہیں۔ان کا نام ولی محمد تھا اور نظیر تخلص کرتے تھے۔ان کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ویسے بیشتر لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ نظیر ۱۷۳۵ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے اس لئے ابتدائی تعلیم بڑے لاڈ و پیار سے ہوئی۔ان کے والد کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔احمد شاہ ابدالی کے حملے کی وجہ سے دہلی چھوڑ کر آگرہ پہنچے اور اپنے خاندان کے ساتھ وہیں اکبرآباد میں مقیم ہو گئے۔کچھ دنوں کے بعد متھرا بھی چلے گئے لیکن واپس آئے اور آگرہ میں معلم ہوئے۔۱۸۳۰ء میں آگرہ ہی میں اس جہان کو خیرباد کہا۔

نظیر ایک قناعت پسند طبیعت لے کر آئے تھے۔شاہی درباروں سے وابستگی نہ ہو سکی لیکن ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ان کے یہاں امیر وغریب، عالم و جاہل، ہندو اور مسلمان کسی کی قید نہ تھی اور اس وسیع النظری کا اثر ان کے کلام میں بھی نمایاں ہے۔نواب سعادت علی خاں نے ان کو بلایا مگر نہ گئے اور تمام زندگی آگرہ ہی میں گزار دی اور شاعری کرتے رہے۔نظیر پنجابی، مارواڑی، پوربی ہندی، اردو اور فارسی پر کامل دسترس رکھتے تھے اور کئی علوم وفنون، ہئیت، طب، فلسفہ، نجوم، معانی و بیان کے ماہر تھے۔حافظہ بہت خوب اور معلومات وسیع ہونے کے سبب بہترین شعر کہتے تھے۔

نظیر نے غزلیں، نظمیں، مثنویاں، قطعے، رباعیات اور واسوخت وغیرہ کہے ہیں۔لیکن تقریباً دو لاکھ اشعار میں صرف سات ہزار اشعار ہی اب تک دستیاب ہو سکے ہیں۔خاص طور سے نظیر نظم گو شاعر ہیں۔ان کی نظموں میں اخلاق ومحبت کی جیتی جاگتی تصویریں بے شمار ہیں۔آپ تمام مذاہب کا احترام کرتے تھے۔سب کی خوشیوں اور غموں میں برابر کے شریک رہتے تھے اور سب سے یکساں محبت کرتے تھے۔اس لئے انہوں نے

عوام کے دکھ سکھ اور میلوں ٹھیلوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اور بڑی کامیاب نظمیں لکھی ہیں۔ان کے شعری سرمائے کو دیکھتے ہوئے ان کو نئی شاعری کا اوّلین پہلا قومی شاعر کہا گیا ہے۔کلیات نظیر شائع ہو چکی ہے۔

خصوصیات کلام: نظیر کے یہاں جو شاعرانہ واقعیت اور بیان کی صداقت ملتی ہے اس میں اگر چہ خیال کی گہرائی اور تاثر کے تیر و نشتر نہیں لیکن پھر بھی نظیر ایسے شاعر ہیں جنہوں نے اپنی نظموں کا مواد روزانہ کی زندگی سے حاصل کیا اور اسے اپنے رنگ میں پیش کیا۔اسی لئے ان کے یہاں مقامی رنگ کافی ہے۔انہوں نے کبھی خالص مثالی چیزیں نہیں پیش کیں بلکہ اپنے گرد و پیش کے مناظر اور واقعات کو پُر خلوص سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان کی نظموں میں جوش، شوخیٔ فکر کی رنگینی اور روانی پائی جاتی ہے۔ان کی زبان نہایت، سادہ، سلیس اور دلکش ہے اور ان کے کلام میں تنوع، وسعت، مصوری، رنگینی، شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔برسات کا تماشا، بہاریں، پیسہ نامہ، چپاتیاں، تن کا جھونپڑا، بنجارہ نامہ، مفلسی، آدمی نامہ، ہولی، دیوالی، شب برات اور عید وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں جن سے نظیر کے اعلیٰ اخلاقیات، شعری سادگی اور زندگی کے تجربات کی ہمہ گیری کی توثیق ہوتی ہے۔

(v) غزل کے فن سے اپنی واقفیت کا اظہار کیجئے؟

جواب: غزل اردو شاعری کی سب سے زیادہ پسندیدہ، محبوب اور مقبول صنف سخن ہے۔غزل اردو میں فارسی ادب سے آئی۔مگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ صنف غزل کا آغاز سب سے پہلے عربی شاعری میں ہوا۔عربی کے طویل قصیدوں کا تمہیدی حصہ جس میں زیادہ تر عشق و محبت کی باتیں ہوتی تھیں، غزل کہا جاتا تھا۔رفتہ رفتہ یہ ایک الگ صنف شاعری بن گئی۔فارسی والوں نے اس کو لذیذ تر بنا دیا اور اس میں اتنی رنگینیاں بھر دیں کہ یہ ان ہی کی ایجاد کردہ صنف سخن معلوم ہونے لگی۔شعری ادب کی دنیا میں کوئی شاعر ایسا نہیں ہے جس نے اس صنف میں طبع آزمائی نہیں کی ہو۔غزل کے مخالف شعراء نے بھی اسی صنف سخن سے اپنی شعر گوئی کا آغاز کیا ہے گویا نظم گو، قصیدہ گو، مرثیہ گو سبھی شاعروں نے غزل کو وسعت دی ہے۔

اردو لغت میں غزل کے معنی ''عورتوں سے گفتگو کرنا'' بیان کئے جاتے ہیں۔مگر دور حاضر میں اردو غزل کی تعریف کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ غزل وہ صنف شاعری ہے جس میں حسن و عشق، تصوف، اخلاق اور فلسفہ وغیرہ سے متعلق ہر طرح کے مضامین بیان ہوتے ہیں۔ہر شعر معنوی اعتبار سے جداگانہ ہوتا ہے مگر ہم قافیہ، ہم ردیف اور ہم وزن ہوتا ہے۔گویا غزل وہ صنف سخن ہے جس کے اشعار معنی کے اعتبار سے مختلف مگر

قافیہ، ردیف اور وزن کے اعتبار سے مربوط ہوتے ہیں۔

غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کا استعمال ہوتا ہے۔اسے مطلع کہتے ہیں۔اگر ایک کے بعد دوسرا مطلع بھی لکھا جائے تو وہ حسن مطلع کہلاتا ہے۔باقی اشعار کے صرف دوسرے مصرعے میں قافیے اور ردیف کا استعمال ہوتا ہے۔بعض غزلوں میں ردیف نہیں ہوتی انہیں ''غیر مردّف غزل'' کہا جاتا ہے۔

غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے، مقطع کہا جاتا ہے۔

غزل کے اشعار کی تعداد متعین نہیں ہے۔کم سے کم پانچ اشعار کہے جاتے ہیں اور عام طور پر سات، نو گیارہ، تیرہ یا پندرہ اشعار کی غزلیں کہی جاتی ہیں۔ویسے غزل میں اشعار کی کوئی قید نہیں ہوتی۔

غزل میں کبھی کبھی تسلسل خیال کی مثالیں بھی ملتی ہیں یعنی تمام اشعار ایک ہی طرح کے خیالات یا کیفیت کو پیش کرتے ہیں۔اس طرح کی غزلوں کو غزل مسلسل کہا جاتا ہے۔عربی شاعری میں غزل کے جو ابتدائی نمونے ملتے ہیں وہ زیادہ تر اسی رنگ کے ہیں۔فارسی شاعری میں غزل کے ہر شعر کا مضمون الگ ہونے لگا۔

غزل اور مثنوی: ظاہری ہئیت کے اعتبار سے غزل کا ہر مطلع مثنوی کا شعر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کا استعمال ہوتا ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ مثنوی کا ہر شعر ایک دوسرے سے معنوی اعتبار سے مربوط اور قافیہ اور ردیف کے اعتبار سے الگ الگ ہوتا ہے۔گویا مثنوی کے تمام اشعار میں ایک ہی سلسلے کے مربوط اور مسلسل خیالات بیان ہوتے ہیں۔جب کہ غزل کا ہر شعر معنی اور خیال کے اعتبار سے منفرد ہوتا ہے۔

غزل کے موضوعات: غزل کا بنیادی موضوع حسن و عشق ہے۔عشق مجازی اور عشق حقیقی دونوں کا بیان غزلوں میں ملتا ہے مگر مختلف نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے غزل اب عشق و عاشقی کی تنگ دنیا سے باہر نکل آئی ہے اور اب اس میں زندگی اور معاشرے کے تمام تر مسائل و حالات پر گفتگو ہونے لگی ہے۔شاید اسی لئے پروفیسر رشید احمد صدیقی فرماتے ہیں کہ غزل ہی اردو شاعری کی آبرو ہے جس نے اردو شاعری کو دنیا کے شعر و ادب میں ایک امتیازی مقام عطا کیا ہے۔

(vi) تمنّاؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

مذکورہ شعر کی تشریح کیجئے اور شاعر کا نام بھی بتایئے؟

جواب: زیر بحث شعر شاد عظیم آبادی کی نوک قلم کا عطیہ ہے۔ شاد عظیم آبادی اردو غزل گوئی کی دنیا کے ایک ممتاز اور منفرد فنکار ہیں۔ صفِ اوّل کے صاحب فکر شاعر تسلیم کئے گئے ہیں۔ دبستان دہلی اور لکھنؤ کا ہم آہنگ اور متوازن انداز بیان ان کی خاص خوبی ہے۔ ان کی غزل میں داخلیت اور خارجیت کا بہت ہی حسین امتزاج ملتا ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ آداب غزل سے اچھی طرح واقف ہیں بلکہ انہیں بخوبی برتتے بھی ہیں۔ ان کی داخلیت پسندی کے باوجود اس میں انتہا پسندی نہیں ہے اور ان کی خارجیت پسندی میں بھی کھوکھلا پن یا ابتذال و گندگی نہیں ہے۔ انہوں نے سنبھل سنبھل کر پورے ضبط و احتیاط اور حسن و رنگ کے ساتھ غزلیں کہی ہیں۔ ان میں سوز و گداز، حسرت و یاس اور محرومی و تشنگی کے احساسات بھی ہیں اور فکر و فلسفہ اور اخلاق و تصوف کے معاملات بھی۔ زبان شگفتہ اور عام فہم استعمال کرتے ہیں۔

زیر نظر مشہور غزل کا یہ مطلع حیات انسانی کے ایک ایسے پہلو کا آئینہ دار ہے جو زندگی کی ساری چہل پہل کا ذمہ دار ہے۔ انسان کے دل میں تمنائیں ہیں آرزوئیں ہیں اور خواہشیں ہیں جبھی زندگی کی رونق ہے اور انسان ان تمناؤں میں اس طرح الجھا ہوا ہے جس طرح ایک بچہ کھلونے سے بہلا رہتا ہے۔ یہاں تمنّاؤں کو کھلونے سے مثال دی گئی ہے۔

معنوی اعتبار سے یہ شعر بہت بلند ہے۔ ایک بے حد نادر اور تازہ خیال کو بڑی دل کشی اور اثر انگیزی کے ساتھ جامۂ شعر دے دیا گیا ہے۔ انسان اپنی مختصر سی دنیاوی زندگی کو ابتدا سے انتہا تک آرزوؤں اور تمنّاؤں میں گزار دیتا ہے۔ ہر لمحہ اسے بہتر مستقبل کی امید رہتی ہے۔ لیکن اس کے خواب کی تعبیر اسے کبھی نہیں ملتی حتیٰ کہ وہ اپنی منزل آخر پر پہنچ جاتا ہے۔ جس طرح بچے کھلونوں سے کھیلتے کھیلتے جوان بن جاتے ہیں اسی طرح انسان آرزوؤں کے ان کھلونوں سے دل بہلاتا ہوا اپنی مدت حیات ختم کر لیتا ہے اور اسے اس طویل سفر کے طے ہو جانے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

اس شعر میں شاد ایک فلسفیانہ حقیقت کی طرف شاعرانہ انداز میں اشارہ کرتے ہیں۔ آدم کو دنیا میں بھیجا گیا تو وہ جنت کی ایک جھلک کے لئے مضطرب رہنے لگے۔ یہی حال عشقِ الٰہی میں گرفتار اولاد آدم کا ہے۔ ایسے میں اس کو بہلانا ضروری اور اس کے اضطراب کو کم کرنا لازمی تھا اس لئے اس کے دل میں تمنّائیں پیدا کی گئیں تاکہ جس طرح بچہ کھلونے سے بہلا رہتا ہے اسی طرح انسان آرزوؤں سے بہلا رہے۔ ایک آرزو پوری ہو تو دوسری پیدا ہو جائے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے اور انسان محبوب حقیقی سے جدائی کا غم بھولا رہے۔